

دلِرن میں جس کے ایک بھی تارِ وفا نہیں ہے

ہستہ زہرا ثانی

اس نے میرے ہاتھوں پر مہندی لگائی جب
میں نے چار جز پوچھے تو اس نے لینے سے صاف انکار
کر دیا۔ میرے اصرار پر بولی کہ ”نہیں ابھی نہیں پھر
حساب برابر کر لوں گی شاید زیادہ ہی وصول کر لوں۔“
میں نے سادہ سے انداز میں سادہ سی بات سمجھی شاید وہ
اپنی شادی پر بھاری گفت لیٹا چاہ رہی تھی اور پھر ایک
دن ایسا آیا کہ اس نے چار جز اتنے اور اتنے زیادہ
وصول کیے کہ کوئی شمار نہیں تھا.....



دلبرن میں جس کے ایک بھی تارِ وفا نہیں رہی

بنت زہرا عثمانی

اس نے میرے ہاتھوں پر مہندی لگائی جب میں نے چار جز پوچھے تو اس نے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ میرے اصرار پر بولی کہ ”نہیں ابھی نہیں پھر حساب برابر کرلوں گی شاید زیادہ ہی وصول کرلوں۔“ میں نے سادہ سے انداز میں سادہ سی بات بھی شاید وہ اپنی شادی پر بھاری گفٹ لینا چاہ رہی تھی اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ اس نے چار جز اتنے اور اتنے زیادہ وصول کیے کہ کوئی شمار نہیں تھا.....



تھے وہ کیوں نہیں پلٹتے تھے..... اس لیے کہ مجھے تو اس گھر میں آنا تھا..... اور اپنے اس ذاتی تجربے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ وہ لڑکیاں جو شادی نہ ہونے سے خود بھی پریشان رہتی ہیں اور اپنی مایوسی سے اپنے گھر والوں کو بھی نفسیاتی دباؤ میں رکھتی ہیں بلکہ کبھی کبھی اپنے لیے اگلے سیدھے فیصلے بھی کر جاتی ہیں وہ نا سمجھ اور عاقبت نااندیش ہوتی ہیں..... تمہارے ڈیڑی سے اپنی شادی کے بعد میرا اس بات پر پکا یقین ہو گیا ہے کہ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کا مقدر کس کے ساتھ لکھا ہے۔“

”آپ مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ مجھے شادی کے لیے فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔“ یمنی مسکراتے ہوئے بولی۔

”تمہی کو نہیں..... کسی بھی لڑکی کو نہ فکر مند ہونا چاہیے نہ مایوس..... البتہ دعا ضرور کرنی چاہیے کہ اچھے لوگوں سے تعلق جڑے، اچھا شریک زندگی ملے۔“

”اس کا مطلب ہے آپ بہت دعا کرتی ہوں گی..... تبھی تو آپ کو ڈیڑی جیسا شریک زندگی ملا ہے۔“

”شکر کرتی ہوں اپنے رب کا..... اللہ کرے تمہارا نصیب بھی کسی اچھے انسان کے ساتھ کھلے۔“

”مجھے تو دعا مانگنے کی ضرورت ہی نہیں..... آپ جو ہیں میرے لیے دعا مانگنے کو.....“ یمنی نے خوش دلی سے کہا۔

”حاجت مند کو خود بھی دعا مانگنی چاہیے میری جان۔“

”یو آر گریٹ سوٹ ماما.....“ یمنی بہت لاڈ سے اس سے لپٹ گئی۔ ایقہ نے اسے اپنی ہانہوں میں سمیٹ لیا۔

انہیں دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ وہ سو قتل مایا بیٹی تھیں..... ایقہ کی شادی میں تاخیر اسی لیے ہوئی کہ اسے ماں سے محروم ہو جانے والے پانچ بچوں کی ماں بننا تھا۔

سو ہر لڑکی کو راضی بہ رضا رہنا لازم!

لیے وہ غلط آغاز ہے جہاں سے اس کے لیے آزمائش شروع ہوتی ہے اس آزمائش سے گزر کر مجھے تو فیہا پھنس گئے تو اتنا اللہ.....“

یمنی ہنس دی۔

”کچ کہہ رہی ہوں میری جان۔“

”آپ مجھے ڈرائے دے رہی ہیں۔“

”خدا نہ کرے، میں تمہاری ماں ہوں..... ویل وشر ہوں تمہاری..... خدا انخواستہ میں کیوں ڈراؤں گی تمہیں۔“

”میں مذاق کر رہی ہوں۔“ یمنی کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

”مگر میں بالکل سنجیدہ ہوں اور آج تمہیں وہ بات سمجھانے کی کوشش کروں گی جو تمہاری ماں ہونے کے ناتے میرا فرض بننا ہے۔“ ایقہ نے توقف کیا۔

یمنی تجسس دکھائی دینے لگی۔ ”دیکھو بیٹا۔“ ایقہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے لیا اور بولی۔ ”شادی ہر لڑکی کی تمنا ہوتی ہے..... میری بھی تھی، رشتے آتے مگر کہیں بات نہیں بنتی۔ میں اتنی مایوس ہو گئی کہ مجھے رشتے والوں کے آنے سے چڑھوس ہونے لگی۔ مجھے گناہ شادی ہونا میری قسمت ہی میں نہیں۔ اوپر سے پوچھنے والے جان عذاب کیسے رکھتے۔ شادی ہو گئی؟ کیوں نہیں ہو گئی؟ وغیرہ، وغیرہ تمہاری مدد خدا ان کی مغفرت کرے انہوں نے بھی اپنی کوششوں سے میرے لیے دو رشتے بھجوائے مگر وہاں بھی بات نہیں بن سکی..... اب تم اللہ کی رضا دیکھو کہ تمہاری ہی بیچاری دنیا سے چلی گئیں اور اللہ نے ان کی جگہ مجھے تمہارے گھر میں بھیج دیا۔“

”اب تو آپ کا گھر ہے ماما۔“ یمنی بولی۔

”تمہاری محبت اور سعادت مندی ہے میری جان.....“ ایقہ نے اسے پیار کیا پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ”اللہ گواہ ہے یمنی کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی یہ بات کہ میری شادی تمہارے ڈیڑی سے ہو گئی..... اب مجھ میں آتا ہے کہ وہ جو رشتے میرے لیے دیا کرتے تھے اور ان کے پلٹ کر نہ آنے پر مجھ سمیت تمام گھر والے پریشان اور فکر مند ہو جایا کرتے

یہ چار جز (معاوضہ) کیا تھے۔ قیامت تھی جو مجھ پر کچھ اس طرح ٹوٹی کہ ہر دن آج برسوں بعد بھی پہلا ہی دن لگتا ہے۔

میں چاروں شانے چت گری تھی۔ اعتماد، بھروسہ، اہمیت اور میرا مان سب کا ہی تو خون ہو چکا تھا۔ سات آسمان تھے جو گر پڑے مگر بظاہر سب تریب سے تھا۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ چلو ایک باب ختم ہوا مگر کوئی مجھ سے پوچھے، مجھ سے جانے کہ کتنے باب تھے جو ہر جانب مکل رہے تھے کسہری کے بے بسی کے بے یقینی کے اور تباہی در تباہی کے ہر اک طرف اندھیرے جنگلوں کی وحشت تھی، زندگی اتنی بھی بھیا تک ہوئی تھی، یہ سب کیا ہو گیا مگر کیوں؟ آخر کیوں؟

ہاں یہ سب حقیقت تھی ایک زندہ حقیقت مگر کس قدر بھیا تک کیا ہی کوئی خواب اتنا بھیا تک ہو گا میں جو اپنا سب کچھ اس پر دار چکی تھی، اس کی زندگی میں کہیں تھی ہی نہیں کہیں بھی نہیں۔

مجھ کو اب اس زہریلی حقیقت کے ساتھ مر، مر کے جینا تھا۔ میرا کچھا جو پہلے ہی ڈھی تھا، غم سے پھنا جا رہا تھا۔ اور آہ کی صورت کئی سوال ابھر رہے تھے پھڑکتے، تر پتے اور چھ سوالات، کیا وہ مجھ سے اتنی شدید نفرت کرتا رہا بلکہ کیا کوئی مرد اس عورت سے جو راضی خوشی اس کی زندگی میں آئے اتنی بھی نفرت کر سکتا تھا۔ یہ سوال سب سے اہم تھا۔

یہ صوفیہ تھی جو سکتے ہوئے در شہوار کو اپنے پہ آئی افتاد کی کھانسا رہی تھی سننے والی حیرت، غم اور تجسس کے لیے جلے انداز میں اپنی پھمڑی دوست کی باتیں سن رہی تھی جو چند روز قبل اس کو اتنا قافری کلینک میں ملی تھی۔ اس نے پہلی دو ملاقاتوں میں سر راہ سرسری باتیں کیں اپنے شوہر کا تذکرہ گول کر گئی مگر آج جب... در شہوار کے اصرار پر اس کے گھر پہنچی تو اس نے خود پر گزرنے والی قیامت کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔

اس کا شوہر کمال ایسا آزاد پسندی تھا جو اڑ چکا تھا اب اس کا کچھ نہ تھا مگر جسم سے روح تک رہتے ہوئے

زخم اندر سے باہر کی چوٹیں ساری ٹوٹ چھوٹ اس کی نشانیاں ابھی باقی تھیں جواب صرف اس کی ہی تھیں۔

مرد اور عورت کا ایک بندھن میں بندھ جانا کچھ اور ہی تقاضے کرتا ہے اور دونوں طرف سے کرتا ہے مگر چند روز ہی میں کمال نے اس کو بتا دیا تھا کہ ”تم میری پسند ہو، نہ ہی مجھ کو پانچ سو روپے جتنی ہوائی رہو ہاں مجھ کو پابند کرنے کا سوچنا بھی نہیں، میں مرد ہوں اور تم کو کوئی حق نہیں کہ یہ سوال کرو کہ میں کس سے ملتا ہوں اور کیوں ملتا ہوں، پر وفیشنل لائف میں دس عورتوں سے ملنا پڑتا ہے اور ہنس، ہنس کر ملنا ضروری ہوتا ہے (مگر یہ تو صرف پر وفیشنل حد تک ہوتا ہے) اور سنو! کچھ رشتے کتابوں میں نہیں لکھے ہوتے جو خونی ہوتے ہیں نہ ہی قانونی مگر بھانے پڑتے ہیں۔“ صوفیہ نہ مرد کا یہ روپ کب دیکھا تھا وقت پر گھر آنے والے ابو، بھائی، چچا، تایا اور ماموں نے تو اپنے گھر کی عورتوں کو اتنا حکم کی باندی بنا کر رکھا نہیں تھا اس کے اپنے ماں، باپ کے گھر یا جو باپ کے اتنا سخت روایتی ہونے کے یہ مسئلہ اس نے دیکھا ہی کب تھا، مرد اپنے کام سے کام رکھتے، عورتیں پردہ کر تھیں تو وہ بھی دوسری عورتوں سے کم آئیر مگر احترام کا رویہ رکھتے..... ساتھ بیٹھ کر تبادلہ خیال تو دور کی بات کوئی پڑوسن آٹنی یا ملنے والی آجائیں تو آئیے بھابی، آئیے بہن کہہ کر احترام انا کنارہ کش ہو جاتے، اسے یہ انداز بڑا مہذب یا شائستہ لگتا مگر یہ مرد جو اس کا شوہر تھا اچھا خاصا لبرل ہونے کا وعید اور تھا مگر اس کے اندر ایک تنگ نظر اور تنگ دل آدمی چھپا ہوا تھا اور وہ خالصتاً ایک گھریلو لڑکی تھی۔ اس کی ماں بھی ایک گھریلو عورت تھی سوائے اس کے کہ کپڑے ہی کر کچھ اضافی اخراجات پورے کرنے کو بچت کر کے کمپنی ڈال لی یا اس نے ٹیوشن کر کے کچھ اپنے اخراجات پورے کر لیے۔

اس کی ماں نے جہاں اس کو فصاحت کی تھی کہ ”خفا ہش تو ایک طرف ایسی ضرورت کو بھی ماریتا وہیں اس کو تائید کی تھی کہ شوہر پر نظر رکھنا، بھٹکنے نہ پائے بس یہیں سے

ساری ٹوٹ چھوٹ کی ابتدا ہوتی ہے مرد کا کچھ بھروسہ نہیں کم از کم آج کے دور میں تو بالکل نہیں بٹال دے گئے وہ زمانے جب مرد سخت گیر تو بہت ہوا کرتے تھے گھر اپنے گھر اور گھر والے سے بالکل قلعہ ہوتے تھے، اپنی ذمہ داری کو اپنی غیرت سمجھتے تھے، بنگو صوفی تو اس نے گھر میں آتے ہی بے بس کر دی گئی تھی، کسی بھی یہ غلامی اسیویں صدی کے کمپیوٹر انڈسٹریز دور کے لبرل مرد کی غلامی.....

کمال عجیب باتیں کرتا تھا جس میں اس کو گرانے کا پیغام چھپا ہوا تھا مثلاً ”تم کو پتا ہے خالہ حمیدہ جو اماں کی چچا زاد ہیں ان کی بیٹی موتا نے میرے رشتے سے انکار کر دیا تھا۔“ دماغ ساتویں آسمان پر رہتا ہے اس کا پھر دو سال پہلے اس کی شادی ہوئی سال بھر تک اولاد کا نام و نشان تک نہ ہوا تو اب شوہر نے باہر جا کر شادی کر لی، بیجاری نہ مجھ ہے اور ماں کے گھر میں رہتی ہے مگر رسی جل گئی بل نہ گیا میں تو رشتے داروں کی وجہ سے چلا جاتا ہوں مگر تم کو دہاں لے جا کر ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔“ وہ اس کے دل میں عجیب سے واٹھوں کے بیج بوتا اور ساتھ، ساتھ دہشت بھی، ٹھاتا جاتا۔

”ارے چھوڑیں۔ اب ایسی بھی کیا رشتے داری کزن وہ بھی دور کی آج کل کل کئے رشتوں کے لیے ٹائم لگانا مشکل ہے تو یہ اللہ میاں کے بچھوڑے کا ناتا ہوا۔“ وہ دلیل سے اس پیدا ہوتے واہے کو ختم کرنا چاہتی تا کہ ان کے درمیان تنگ کا کوئی بیج نہ بننے لگے۔

”یہ تم مجھے کچھ سکھانے کی کوشش مت کرنا، عورت، مرد سے کم تر ہے اور رہے گی، مجھ پر زیادہ رعب نہ ڈالنا سمجھیں۔“ وہ بیک بیک طیش میں آ جاتا۔

”مگر کون سی عورت کم تر ہے کمال صاحب! شریک حیات یا بے نام رشتے سے بڑی عورت۔“ وہ جرات سے کہتی۔

”تم میرے سامنے جرح مت کرو دیگر بیڑی پانی اے نہیں ہو کر بیو عورت گھریلو رہے تو اچھا ہے۔“ حکم دیا جاتا۔

”جی بہتر..... ٹھیک ہے۔“ وہ بھی ہوئی جواب دیتی۔ اسی میں اس کی بہتری تھی، وہ من مار کر شاد رہنے کی کوشش کرتی یہ لفظ کہ جودل بھی ہے اور حرف میں بھی ہر زاویے سے یہ دوحرفی لفظ مارنا اس کا سمجھوتا تھا، اس کی ماں نے بھی تو شوہر کی اطاعت اور خدمت کی تھی مگر وہ بھی باندی بن کر تو نہیں رہی تھی۔ یہ تو محبت اور اہمیت کا رشتہ تھا، دونوں طرف کسی خوش قربانیاں دی جاتیں، ٹوک جھوک اور گلے شکوے بھی ہوتے واقعی ہوتا بھی کچھ یوں ہے اُدھر تقاضا ہوتا ہے کہ عمر گزار دیجیے اور اُدھر سر تسلیم خم کرتے ہوئے عمر گزار دی جاتی ہے کوئی نقصان کوئی خسارہ ذرا بھی محسوس نہیں ہوتا مگر انسان کی بندی نہیں بلکہ باندی بن کر رہتا کتنا بے بس کر دینے والا عمل ہے۔

لیکن یہاں تک بھی بس ہو جاتا تو سہ لیا جاتا مگر پھر حکم یہ تھا کہ ساری دنیا کو اس نے بس قید کا پتا بھی نہیں چلنا چاہیے یوں دنیا دکھلاوے کو لبرل ہونے کی پالش ہوئی اور اندرون خانہ ایک عجیب قانون نافذ ہوتا۔ کمال اس کے کمال ضبط کو آڑ مانے لگا اور اس کو سمجھوتا کرنا تھا ”کمال کا سمجھوتا“ یا ”کمال سے سمجھوتا۔“ ایک ہی بات تھی۔

صوفیہ کو میکے والے تسلی دیتے کہ چلو یہ امتحان کے دن سمجھ کر گزرا لو ذرا سی آزمائش ہے اس میں کسی طرح پوری اتر جاؤ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا، آپس کا اعتماد بحال ہو جائے گا پھر اللہ کرم کرے گا خوش خبری آجائے گی تو سب سنبھلنے لگے گا۔ بچہ ہوتا ہی ایسی چیز ہے نعمت غیر مترقبہ مگر صوفیہ یہاں کیسے بتاتی، کسے بتاتی کہ کمال اس سلسلے میں کیا کہتا ہے، کتنا منفرد تھا وہ اور مردوں سے۔

”بھئی ابھی تم میرے سانچے میں ڈھلو تو ساتھ دو، ابھی ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ایڈجسٹ ہوئیں۔ پھر سوچیں گے۔“

وہ کچھ کتی کتوتنے کو بھی خوب ملتا۔

السلام علیکم

FAMOUS URDU NOVELS, BOOKS BANK (ویب سائٹ) ہمیں اپنے بلاگز

PRIME URDU NOVELS, FREE URDU DIGEST, READING CORNER

کے لئے ناول رائٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری پوسٹ کروانا چاہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل کریں یا ہمارے گروپ اور جج پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ یا واٹس ایپ پر بھی کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- **FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST**

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

سوچنے کی بات

بچہ اپنے باپ سے۔ ”ابو آپ آفس ہر روز نہ جایا کریں۔ بس میرے ساتھ کھلا کریں۔“
 باپ پیار سے۔ ”بیٹا اگر آفس ہر روز نہیں جاؤں گا تو آپ کے لیے چیزیں کون لائے گا۔“
 بچہ۔ ”تو روز مت جایا کریں بس آپ جمعہ کے جمعہ چلے جایا کریں۔“
 باپ سمجھاتے ہوئے۔ ”بیٹا اگر صرف بیٹے کے بیٹے جاؤں گا تو وہ مجھے آفس سے نکال دیں گے۔“
 بچہ معصومیت سے۔ ”ابو آپ مسجد بھی تو جتنے کے جتنے جاتے ہیں ناں پھر اللہ پاک نے تو آپ کو کبھی اپنے گھر سے نہیں نکالا۔“
 از: ارم کمال، فیصل آباد

وہم

لنچر..... ماضی، حال اور مستقبل کے زمانوں کی کوئی مثال دیں۔ جیسے کہ میں خوب صورت تھی۔ خوب صورت ہوں اور خوب صورت رہوں گی۔“
 بچہ..... مک آپ کو وہم تھا، وہم ہے اور وہم رہے گا۔“
 از: شمیمہ کوکب، جہلم

کی بنیاد یہ گڈ نیوز..... تھی (واہ رے آزاد پنجابی بھی اپنی نسل کا محافظ ہوتا ہے)
 ادھر کمال کی ماں روایتی سے بڑھ کر روایتی ساس تھیں جہیز میں گلاب باش سے لے کر فرنیج کی کمی کا طعنہ اکثر و بیشتر دیتی رہیں اب خوش خبری یہ تو کچھ نرمی کرنا تھی مگر یہاں بھی اپنے زمانے سے موازنے چلتے رہتے کہ ”ہم نے تو چلتے پھرتے بچے پیدا کروئے آخر تک ہنڈیا، روٹی کرتے رہے۔“
 کبھی حقارت بھرے انداز میں کہا جاتا۔

”ارے ایسی بھی کیا خنرے بازیاں، انوکھا بچہ لارہی ہو گیا..... ایسے ناز دکھائے ہیں تو جاؤ ماں کے گھر ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء 109

لوگ بھی تعاون کریں گے مگر بچہ تو ہم دونوں کا ہے ناں..... اس سے آپ اور آپ کے خاندان کا نام چلے گا۔“ پہلی بار ہونے والی ماں نے فطری خوف سے کہیں زیادہ خوف سے التجا کی، اس کے سبب ہوئے وجود نے ایک مقدس خواب سے توانائی پائی تھی۔ ساس اور دیگر لوگوں نے بھی خوشی کا تھوڑا اظہار کیا مگر تاکید کردی کہ ہمارے یہاں بچہ میکے میں ہوتا ہے اور میکے سے سرال میں بہت ساری سوغاتیں خاندان بھر کے لیے الگ بھجوائی جاتی ہیں مگر کسی نے اس کی صحت دیکھ بھال اور آنے والے بچے کی نشوونما کے بارے میں کچھ کہنا غیر ضروری بات سمجھی۔

☆☆☆

”بڑا اللہ رواج ہے ان کے یہاں کہ بچہ نضیال میں ہو ہمارے یہاں تو مرد کے لیے غیر فنی کا مقام ہے کہ اولاد تو باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے سب باپ سے تو چلتا ہے ہاں اخلاقی طور پر ادھر سے تعاون ہو جائے گا مگر ذمہ داری ہماری نہیں ہے سمجھ لو۔“
 صوفیہ کے والد اس کی والدہ سے دو دو چار کی طرح بات کر رہے تھے۔

”میں نے کب نہیں سمجھا مگر میرے سمجھنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کی سمجھ کا پیمبر ہے، ہمارے لیے تو اپنی کا معاملہ ہے ابھی معاملہ نیا، نیا ہے مان لیں ان کی۔ پھر بچی کا کھونا مضبوط ہو جائے گا آگے انشاء اللہ اتنا مسئلہ نہیں ہوگا۔“ اس کی امی جانتی تھیں کہ کمال اور اس کے گھر والے بہت اکڑ لوگ ہیں وہ ماں تھیں، بیٹی کو گھر قیامت کبھی دیکھنا چاہتی تھیں۔

”چلو ابھی یہ ذمہ سہلے لیں پھر کمال کو اور چھوٹا لے جائے گی۔ وہ تو ویسے ہی بہت غیر ذمہ دار ثابت ہوا ہے اور لاعلق ہوتا جائے گا، آگے آٹا راجھے نہیں رکھ رہے ہیں۔“ صوفیہ کے والد بے لپک انداز میں کہہ رہے تھے۔

یوں وہ جان جو ابھی اس دنیا میں آئی نہیں تھی ناؤ کی بنیاد بن کر بے طرح ٹھکرانی گئی ایک تناؤ تھا جس

ہوتا ہے مگر کمال کو اطلاع دینے پر اس کے متوقع رد عمل کی دہشت ہے انتہائی، ایسی خوش خبری جس کے خنجر سرال والے تھے مگر اس کا جیون سا بھی، اس بچے کا ہونے والا باپ..... وہ..... وہ مگر اس کو ایک موٹی زنجیر سمجھتا تھا۔

ملکوں، شہروں اور علاقوں کی حدود ہر جگہ ہوتی ہیں جو ایک سسٹم کہلاتی ہیں اسی طرح گھروں اور انسانوں کی بھی حدود ہوتی ہیں مگر کوئی بھی ان کو زنجیر کہہ کر کاٹنے یا توڑنے کی بات نہیں کرتا کہ یہ بندھن ہیں اور یہیں سے رنگ و فاکھتا ہے مگر لذت آمیز دنیا کی رنگین بے راہ روی میں کھوجانے سے باہمی تعلق میں وفا اور اعتبار کا رنگ پیکا پڑ جاتا ہے، ان ہی حدود کو دین و دنیا دونوں میں حقوق و فرائض کہا جاتا ہے۔

وہ خوف زدہ تھی کہ کمال کو کیسے یہ سب بتائے اور یہ بھلا چھپانے والی بات تھی کیا؟ کم از کم کمال سے تو بالکل نہیں مگر جان کی امان مانگتے دلائل سے اس کو قائل کرتے یہ اطلاع اس نے دے ہی دی کمال کے چہرے پر عجیب رنگ تھا۔ رعونت کا، جھلاہٹ کا، اپنی حکم عدولی کا.....

”ہونہہ تمہاری چھپی ہوئی چاہت پوری ہوگئی ناں آخر.....“ وہ ہنستا۔

”نہیں میری نہیں، خدا کی چاہت اس کا حکم ابھی تو ابتدا ہے آئیے خدا کا شکر کرتے ہوئے اس کو مل کر دیکھ کر کرتے ہیں، اللہ بہتر کرے گا دیکھیں ناں جیلینا تو مجھ کو ہی ہوگا۔ بس ایک ہو جانے دیں پھر پورے پانچ سال کی پلاننگ کر لیں گے ٹھیک ہے ناں.....“ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے جن میں غرض ہی غرض تھی خواب ہی خواب تھے متا کے تقدس بھرے خواب.....

”چلو کیا یاد رکھی، مان لیا مگر ایک شرط ہے یہ بچے دے کا خرچہ ڈاکٹر کے چکر سارا کچھ تمہارے گھر والے کریں گے ہمیں۔“ پہلی بار ہونے والے باپ نے خاصی غیبت سے کہا۔

”میرے گھر والے تو اب آپ ہی ہیں، ہاں وہ

بتاؤں کہ ابھی میں نہیں برداشت کر سکتا یہ جمیل..... فی الحال پاؤں میں کوئی زنجیر نہ ہی پڑے تو اچھا ہے سمجھیں تم۔“ وہ غراتا۔

☆☆☆

”مبارک ہو سز کمال آپ کے گھر میں پہلے نے مہمان کی آمد کفرم ہے۔“ کچھ دنوں سے طبیعت گری، گری ہی تھی تو وہ چپک اپ کے لیے چلی آئی تھی۔ ڈاکٹر نے رپورٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے خوش خبری دی مگر وہ بے طرح چونکی کمال کا خوف تھا یا کمال سے خوف گویا ایک ہی بات تھی۔

”ج... ج... جی، وہ مگر.....“ یہ مشکل اس کے منہ سے بے ربط الفاظ نکلے۔

”گھبراؤ نہیں، فرسٹ ٹائم ایسی ہی گھبراہٹ ہوتی ہے مگر اتنا مجھ جاؤ اچھی طرح یہ زندگی کا ایک تار مل مرحلہ ہوتا ہے مشکل کبھی مگر یہ بھی سچ ہے کہ کتنے لوگ برسوں تڑپتے ہیں اس آرزو میں۔“ ڈاکٹر نے اس کی گھبراہٹ کو تو آزموی پر محمول کرتے ہوئے عام سے انداز میں تسلی دی۔

”یہ میں فوڈ سیلینٹ لکھ رہی ہوں ساتھ میں ڈائنٹ ذرا اچھی لینا اور کچھ پرہیز ہیں، وزن اٹھانے سے بالکل بچتا ہے اور ہر ماہ باقاعدگی سے چپک اپ کے لیے میرے پاس آتا ہے، اللہ بہتر کرے گا۔“ ڈاکٹر نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت کا مظاہرہ بڑی دیانت داری سے کیا۔

دنیا کی نظر میں صوفیہ کو جینے کا جواز مل گیا تھا۔ خدا کی نظر میں قابل رحم اور کسی مقبول دعا کا آغاز بھی اور اس کی اپنی نظر میں سب کچھ ذہرا تھا خوشی اور خوف بے اندازہ خوف.....

خوشی، اپنائیت اور محبت کے تقدس کی، کسی آنے والے معصوم فرشتے سے جس کا سب کچھ اس کا اپنا تھا۔ اپنا پن جس کو پانے کے لیے تن من و جہن کی قربانی دی جاسکتی ہے پھر بھی سودا مہنگا نہیں ہوتا۔ ہاں تخلیق کے کرب اور آنے والی اذیت کا خوف تو پہلی بار ہر لڑکی کو

ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء 108

ہے، کیوں اتنا لگاؤ ہے۔“ وہ گھبرا کر زربل بولی۔
اس بات پر اس کے خدشات بہر حال فطری تھے۔ کاش مونا کمال کو بھی نہ ٹھکراتی اور اس کی بیوی ہوتی، وہ تو اس دہشت زدہ زندگی سے بچی رہتی اور پتا چتا مونا کو بھی اور کمال کو بھی، وہ سوچ رہی تھی مگر ساتھ ہی کمال کی دی گئی اطلاع اس کے لیے سکون کا باعث تھی کہ چلو اب اس کا گھر دوبارہ بس جائے گا تو وہ سکون کی سانس لے گئی اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔
”کیوں، کیا سوچنے لگیں تم۔“ کمال اس کے چہرے کے رگوں میں کوئی سوال تلاش کرنے لگا۔
”ہاں بہت اچھی خبر ہے مگر آپ کیوں بیگانے کی شادی میں عبد اللہ دیوانے بنے ہوئے ہیں، اپنی بات کریں ہماری شادی کو دوسرا سال ہے ہم ابھی تک دوہی ہیں کوئی آتے، آتے رہ گیا آپ کی احتیاط کے چکر میں۔ میری طبیعت اب خراب رہنے لگی ہے کیا ہوگا عجیب پرانہلم رہنے لگی ہے، ہر چیز بے وقت ہو کر رہ گئی ہے۔“
وہ سو کواری سے بولی۔
”ارے ابھی شادی کی پہلی سالگرہ یہ تم کو اتنا تو خوش کیا، گفت دیے، آؤ تنگ پر گئے ٹینک منائی، تمہارے ساتھ تو اتنا بدلا ہوں مگر یہ بچے کے لیے ابھی وقت بڑا ہے اتنی ڈسٹرپ اور کٹی رہی ہوگی تو بچہ کیا اس کا باپ بھی نہیں ملے گا۔“ وہ اپنی ہی تریک میں بولے گیا۔
”ارے اللہ نہ کرے یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، آپ کے دم سے تو سب کچھ ہے اللہ ہمارا ساتھ تاحیات رکھے، آمین۔“ وہ گھبرا کر کہہ رہی تھی۔
”اچھا جان! تم مجھ سے واقعی اتنی ہی انچید ہو؟“ وہ اس کو آزار مارتا تھا۔
”اس میں کیا شک ہے بھلا، میں تو آپ کے لیے ساری دنیا چھوڑ دوں۔“ وہ جیسے اس کو یقین دلا کر اس کی محبت میں سے مزید کچھ اعتماد و چاہ رہی تھی جو اس کا حق تھا۔
یوں دھوپ چھاؤں کے سلسلے چلتے رہے۔ مونا کے ذکر پر کوئی گھبراہٹ فطری طور پر اب نہیں ہوتی تھی

ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ماں کے گھر گزارہ تھا ان دنوں پتا چلا کہ مونا کو جو پہلے ہی مطلق زندگی گزار رہی تھی مطلق ہو گئی ہے وجہ وہی بانجھ پن۔۔۔۔۔
”ہائے بیجاری مونا۔۔۔۔۔“ کمال نے صوفیہ سے زکرہ کرتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھری۔۔۔۔۔ صوفیہ کو یہ بات عجیب لگا یہ شک اس پر پھاڑوٹا تھا مگر اس کی اس طرح سے ہمدردی شک کے کئی درکھول گئی تھی۔
آخر بھی کمال نے اس سے شادی کے لیے ہاتھ دلا دیا تو اس نے انکار کر دیا تھا پھر وہ حسرت بھرے لہجے میں اس بات کا ذکر کرتا تو اس کے اندر ایک فطری سرگرمی ابھرتی وہ ہلکے ہلکے خدشات کو شک و شبہ کو ارد ہلا دینے والے خطرے کو۔
ادھر دیر سے، دیر سے کمال کا رویہ صوفیہ کے ساتھ بہتر ہوتا گیا، صوفیہ کو نقصان اور اذیت کا جو غم تھا اس پر کمال کا تھوڑا نرم پڑ جاتا اس احساس کو کم کرتا گیا۔
کمال والوں نے نقصان کے بعد دلجوئی تو کیا کی، ان کی آزادی کے ہی تاثر قائم رکھے تب بھی وہ سہہ گئی وارار کرتی، شوہر کا قدرے بہتر رویہ عزت افزائی اور وارار کرنے کی قسمیں۔ عورت کا سارا مان ہی اس کے ہاتھ دھو رہا تھا اگرچہ اب بھی وہ اکثر دیر سے گھر آتا، کوئی رشتوں کی اہمیت بھی ظاہر کرتا مگر پھر بھی قیمت

ہسپتال لے جانا گھر والے کمال کو یہ سمجھا چکے تھے کہ زیادہ چونچلے کر کے دماغ خراب نہ کرنا جسکے میں خبر کرنا بھی ایسا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ درد کے جھٹکے سب سے بستر پر وہ رات جانے کس طرح گزری یہ صرف جس پر گزرے وہ جانے یا اس کے بعد وہ جس کو احساس ہو مگر احساس ہی کا تو رہا تھا۔
صبح جب اس کی ماں کو اطلاع دی گئی تو خاصی تاخیر ہو گئی۔
”میرے اللہ، میرے اللہ یہ کیا ہو رہا ہے، ماں کو بلا دے کوئی۔“ پہلی بار میں بیجاری لڑکی کو کیا پتا ہوتا ہے، کیا ہو رہا ہے مگر تھ ہے جرجر بکا رگوں پر اور ان کی غفلتوں پر جو اپنی فرعونیت جتانے کے لیے بھی جان سے بھی کھیل جاتے ہیں۔
☆ ☆ ☆
ہسپتال کے بیڈ پر ہم جان مریم کچھ کھوجانے پر غم زدہ تو تھی ہی مگر کرب و اذیت کا لہر، لہر اس پر بھاری تھا، اذیت کچھ پانے پر جھیلی جاتے تو اس اذیت سے بہت کم ہوتی ہے جو کھودینے کے لیے اٹھائی جاتی پھر مگر جب ٹی ٹی ہی ٹی ٹی ڈالی جاتے تو۔۔۔۔۔ درد کی ہر لہر خوف نہ چھوڑتی ہے کئی کئی سال دی گئی تھی۔ غفلتوں اور بے حس رویوں کے ہاتھوں۔
کمال اب شرمندہ ہونے لگا تھا حالانکہ وہ صوفیہ کے خوابوں کا مجرم تھا مگر یہ خواب تنہا نہیں دیکھے جاتے، اندھیروں میں اک کرن چمکی اور غائب ہو گئی تھی۔
صوفیہ کا وجود جیسے چھلنی ہوئے جا رہا تھا۔
”چلو صوفیہ جو ہوا سو ہوا، تمہاری تکلیف پر مجھے بھی بڑا افسوس ہے تم تو میری اپنی ہوا بنا مجھ کو تم پر جتنی کر گیا۔“ صوفیہ کے ماتھے پر ایک ہاتھ رکھ کر دوسرے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے جا رہا تھا وہ۔ اتنا کھونے اور اذیت اٹھانے کے باوجود صوفیہ کے لیے یہ مہربانی بھی حیران کن اور خوش آنکھ تھی جو وہ اپنے تند خو شوہر کے رویے میں دیکھ رہی تھی۔
کتنے کم ہیں خوش ہونے والی تھی وہ بھی۔۔۔۔۔ اس

وہیں رہو فارغ ہو تو آ جانا۔“
ادھر کمال بیجاری اور لائق کے انداز رکھتا جیسے نعمت نہیں مصیبت ملنے والی ہے، بہار کا جھونکا آتے ہی خزاں رسیدہ رو دینے پر تے جا رہے تھے۔
اس دن تو حد ہو گئی صوفیہ کی طبیعت بہت گری، گری سی بھی بارش نے اپنا زور دکھایا، اسے ماں کا گھر یاد آ رہا تھا مگر یہاں کا ماحول کتنا نا مانوس تھا اچانک سانس کی آواز پہ چونکی۔۔۔۔۔
”صوفیہ یہ فرش پر بارش کا کتنا پانی جمع ہو گیا ہے اس کو داپر لگا دو، ایسا بھی کیا بیٹھ جانا مای تو دم کے لیے رکھ دی ہے ناں۔۔۔۔۔“ وہ خاصی درخشکی سے بولیں کمال ماں کے آگے چپ تھا شریک حیات اور شریک خواب۔۔۔۔۔
”جی۔۔۔۔۔ جی اچھا۔۔۔۔۔“ وہ چارو تار چارٹھ ہی گئی مگر اس سے زیادہ کچھ نہ کیا گیا۔
”کمال پلینز، میری طبیعت ایسی نہیں ہے کچھ نہیں ہو رہا مجھ سے۔“ وہ جیسے کسی جرم کی صفائی دے رہی تھی۔
”ایسا بھی کیا مسئلہ بنا دیا ہے، ساری دنیا کی عورتیں ایسی حالتوں میں گھر اور باہر دونوں جگہ کام کرتی ہیں جاؤ تو ہم۔“ کمال نے اس کے ہاتھ سے داپر لے کر چلنا شروع کیا جیسے وہ اس پر بڑا احسان کر رہا ہو، نظر سے لے کر تنہا ہی اظہار تھا۔
وہ تو پہلے ہی بے حال تھی ذاتی اذیت سے مزید پکان ہو کر رو پڑی۔ ”کیا کسی کو بھی میرا کوئی خیال نہیں۔“ زربل کہتے ہوئے وہ چمکرائی اور ایک دم مگر پڑی۔ عطا کی خوش خبری اس کی خطا کیوں بنا دی گئی۔
درد کی ایک لہر اٹھی اس کی چیخ کھل گئی حالت خراب ہوئی گئی کمال نے اسے اٹھایا اور بستر پر لٹا دیا۔ ”یہ کیا، یہ کیا۔“ وہ کہہ رہا تھا۔
آج کل تو دیہات کے لوگوں کو بھی سمجھایا جاتا ہے کہ ایسی علامتوں میں فوری ہسپتال لے جانا چاہیے ورنہ خطرہ ہے مگر یہ بھی تو ایک درد تھا، تجربہ سمجھا جاتا تھا کہ گھر میں بھی تو آرام کیا جاسکتا ہے، اتنی سی بات پر کیا ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء (110)

”اللہ تمہارے گھر کو شاد و آباد رکھے۔“ ماں نے کاٹ کر جواب دیا۔

صبح جیسے تیسے سب کے اصرار پر اس نے ناشتا کیا۔ وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کسی طرح کمال کو فون کر کے اس کی خبریت پوچھے مگر فون کرنے پر اس کو نمبر مسلسل بزی ٹل رہا تھا۔ اس کو ہول اٹھ رہے تھے۔

”ہاں سنو، اب میں نہیں آؤں گا یہ بچہ وچہ تمہاری آرزو ہے ابھی فی الحال مجھے کوئی دلچسپی نہیں مگر تم نے میرے سانچے میں ڈھلنے سے انکار کر دیا، اب سن لو میں شادی کر رہا ہوں۔“ بھانک خواب حقیقت بن رہا تھا چند گھنٹوں میں اس کی ساعوتوں پر، حملے ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے داغ میں جیسے جھنڈ چل رہے تھے۔

”مگر کیوں؟ کون ہے وہ؟“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اپنے کھر کو جلتے دیکھ کر وہ پوری قوت سے چیخا۔

ماہنامہ پاکیزہ - اپریل 2018ء 113

”ارے تم کوئی روڈ پر تھوڑی بیٹھی ہو یا کسی
 سے غیرے کے گھر پر پڑی ہو، تمہارے باپ کا گھر
 ہے۔ آخر پہلے بھی تو تم یہاں رہتی تھیں ناں.....“ وہ
 لالچو دی دیکھ دے رہا تھا۔

”مونا، مونا! اہلہی یہ مونا کہاں سے آجاتی ہے کمال
 ٹھکرائی ہوئی عورت میں اتنی دلچسپی کیوں ہے
“ بے نام سے اندیشے اس کا سکون حصدنے لگتے۔

”اللہ خیر کرے میری بچی۔“ ماں اتنا کہہ کر اسے
ہوئے آیت الکرسی پڑھ کر دم کر رہی تھیں۔

”ارے لڑکی الٹی کر ڈھس گئی ہوگی جانے کیا الا
 باب میں دیکھ لی۔“ ابا جی نے اطمینان دلایا۔

1

”اب میرے خیال سے مجھ کو گھر چلے جانا چاہیے
کیوں امی؟“ اس روز اس نے ماں سے پوچھا تھا۔

”ایہی ذرا رک جاؤ، تھوڑی مصروفیت ہے
میں نے کچھ چھوٹا“ سا کاروبار سیٹ کیا ہے، مگر غنٹ
جاب کی اس فحواہ سے کیا گزارہ ہوگا میں نے سوچا
دوست کے ساتھ شہر کے اور آمدنی کا راستہ نکال

والا جیولری سیٹ بیچ دیا ہے کچھ پیسہ تمہارے علاج کے لیے اٹھ گیا کچھ میں اس کام میں لگا کر کچھ اپنی بہتری

کے لیے کرلوں گا دیکھو وعدہ ہے کہ سال بھر میں زیور بنوادوں گا۔“ اس نے نئی خبریں سنائی شروع کر دیں۔

وقت ان ہی خدشوں اور انتظار کی کٹھنائیوں میں گزرتا گیا پورے چار ماہ ہو گئے تھے۔ کمال کبھی ہفتے

بھر میں آتا اور مصروفیت کو جواز بناتا کبھی فون ہی سے کام چلا لیتا وہ صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو بھولا

اس کی حالت اندر سے اور خراب رہنے لگی امید کی نہیں نا امید کی کی اذیتیں لا حاصل دکھ جنے جارہے تھے، اندرونی افطیخن خون کا ریاں اور پھر انیک پر ابلر اور پھر اب کمال اس پر تھتھ بھی اٹھانے لگا تھا۔ اب وہ آرام اور اچھے علاج کے لیے والدین کے گھر آگئی تھی جاو نا جاو ربادل نا خواستہ ہی آئی۔

”ہاں چاب سے سیدھا گھر آنے والا بندہ تو ہے
ہی نہیں وہ، چاب بھی تو گورنمنٹ کی ہے ناں بس

سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر والا حال ہے اس کو ایک ماہ کے لیے یہیں روک لو بس یہیں آکر

صوفیہ سے مل جایا کرے۔“ ابانے فیصلہ سنا دیا۔
 ”مگر وہاں جو کمال کی مایاں اس کو ورغلائی رہے

مئی، اس کا کیا ہوگا خوب موقع ملے گا دونوں میں
ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء (112)

ہوتا..... لذتوں کی رنگین دنیا کے گھیرے اندر صبر سے
گھروں کی مدد چاندنی کو نگل رہے ہیں صوفی بھی اس
کی زد میں آگئی تھی۔
در شہوار آنسوؤں کے ساتھ اس کے لئے کی
داستان سن رہی تھی۔

گھروں کے تباہ شدہ بلے پر سوگ منائی آہیں بھرتی
اور فریاد کرتی سنی سادری عورتیں وفا کر کے سب تیاگ کر
بھی نقصان میں ہی ہوئی ہیں شاید وہ اس حق ہی ہوئی ہیں
اب اتنا بھی کیا بچاؤ ہوئے جانا کہ جاں سے ہی گزر
جائیں..... آف..... یہ مشرقی وہ بھی پاکستانی عورت.....

سچ ہے.....
جیون کھیل نہیں جاناں
آگ اور پانی، دھول اور شبنم
ان کا میل نہیں جاناں

”صوفیہ رنگ حنا کے چار جزا اتنے بھی بھاری ہر
سکتے ہیں حساب تو کروڑوں میں کیا یا اس سے بھی آگے
مگر دوست یہ تو یک طرفہ محبت اور وفا کا نوحہ ہے جہاں
آگ اور پانی نہیں مل سکتے۔ دریا کے دو کنارے.....“
در شہوار اسے لکلی دے رہی تھی۔

”تم سمجھو کہ میں اس کے بنا کیسے جی رہی ہوں
جینے کی کوشش کر بھی لوں تو سماج جینے نہیں دیتا، مجھ کو
ایسی بھینک سزا کیوں ملی آخر.....“ اس کے پاس بے
قرارہ بے حساب سوالات تھے۔

”نادان لڑکی تم اپنے بغیر کیسے جیتی رہیں، اپنے
لے اور اپنے خدا کے لیے جیو اور اسی سے آس لگاؤ،
آگے خبر کرے گا۔“ در شہوار اس کے آنسو پونچھ رہی تھی۔
پہلے کے مرد بظاہر سخت ہوتے تھے مگر ذمے دار
غیرت مند اور با وفا مگر آج کے رنگین، معاشقے اور
لذت بھر گیسراؤں دنیا، رنگ و وفا کو پھینکے جا رہی ہے
اور یہ ہمیشہ دو طرفہ ہوتا ہے، صوفیہ بلے پہنچی وفا اور
بے وفا کی کا سبب جان گئی تھی۔ مجوزا صفت کیا وفا لہا
سکتا ہے بھلا؟

دلیل سے تھرا یہ آلودہ جملہ دماغ میں پھنسنے کی سی کیفیت
پیدا کر رہا تھا، پاؤں تلے زمین نہیں تھی یا آسمان دھواں
بن گیا تھا ہر ایسی بات چھوٹی تھی اور حقیقت حال کہیں
بڑی اور کہیں بھینک تھی، اس کی ماں بھی ناگہمی کی
کیفیت میں اسے سنبھالے جا رہی تھیں وہ بے ہوشی سے
پھر ہوش میں آکر ہلک، ہلک کر روئی۔

”کمال کی کاروبار میں مصروف تھا وہ اتنی حد پار
کر سکتا تھا؟ کیا وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتا تھا اپنی
زیادہ.....“ اس کے پاس بے کل سے سوالات ہی تو
تھے اس نے کسی طرح ماں کو مطلع کر ہی دیا وہ حق در
گھیں۔ بیٹی کو بسانے کی خاطر کیا، کیا جتن نہیں کرنے
پڑتے پھر بھی نہ بے موت سے بدتر سماں ہوتا ہے وہ
تڑپ کر بدعا نہیں دے رہی تھیں۔

”امی جی، کمال بے غیرتی کی انتہا پر جا چکا ہے مگر
اس کو کہہ دیں کہ مجھ کو مت چھوڑے، مرد کا نام بھی کافی
ہوتا آپ ہی تو کہتی تھیں ناں اس سے کہہ دیں ماں وہ
دوسری کیا تیسری بھی کر لیں مگر میرا گھر نہ جاؤں۔“ وہ
اس حد تک بھی راضی تھی۔

”بیٹا تم نے پوچھا وہ ہے کون ڈائن، کسی دشمنی نکال
رہی ہے تم سے آخر؟“ ماں کے سوالات فطری تھے۔
”ہاں امی وہی جس نے شادی کی پہلی سالگرہ پر
میرے ہاتھوں پر مہندی لگائی تھی یعنی مونا، مونا۔“
دماغ میں دھماکے ہورہے تھے۔

”تو مونا نے مہندی لگانے کے چار جزا تمہاری وفا
اور تمہارے گھر کا خون کر کے لے لیے کیا، کبھی حنا
مہندی کے چار جزا آگ و خون سے لیے جاتے ہیں۔“
ماں اس کے آنسو پونچھے جا رہی تھیں۔

”ہاں، مونا کا رشتہ کمال سے طے تھا، وہ باجھ تھی
تو یہ تو قدرت کی رضا کی کمال کو بچنے نہیں چاہیے دنیا بھر
سے نرالا مرد ہے وہ۔“ صوفیہ بولے جا رہی تھی بے ربط
سے اعزاز میں۔

..... مونا سو کن کیسے سہہ سکتی تھی، وہ لذتوں کی رنگین
دنیا کی باسی تھی جس میں وفا کا رنگ نہیں

ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء 114



ایک سہارے کی آہیں

نامید فاطمہ حسنین

یا اپنی انگلی کی پوروں سے ان کے بچے آنسو پونچھ دیتا۔
تھک ہار کر آخر کو انہوں نے خود کو دیوار سے ٹک
دیا۔ اب سسکیاں تو تھیں لیکن بچے آنسو ختم کیے تھے۔
انہیں یہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ان سے غلطی کہاں سرزد ہوئی
تھی..... چوک کہاں ہوئی تھی؟ اپنی دانست میں تو انہوں
نے ایسا کچھ کیا ہی نہیں تھا جس کی وہ سزا بھگت رہی
تھیں..... یا مکافات کے پھیر سے گزر رہی تھیں۔
در اصل ہوتا یوں ہے جب تک بندہ ظلم کر رہا ہوتا

وہ بالکل بے بس و بے اختیار ہو کر اپنی اگلیوں کو
پر بھیرنے لگیں۔ یوں جیسے اپنے ان گت بے
سوالات کے جوابات ڈھونڈ رہی ہوں۔ آنکھوں
پر پانی کی کڑواہٹ میں بھرے ٹھیکن پانی نے سامنے کا
ہالکل و حندلا دیا تھا۔ کمرے کی فضا بچکیوں اور
اس سے گونج رہی تھی۔

اب تک اپنے اچھے سوالوں کے جواب کا سرا
لہ رہا تھا۔ نہ وہاں کوئی تھا جو انہیں اپنا کاندھا پیش کرتا

ماہنامہ پاکیزہ۔ اپریل 2018ء 115